تار کا پتہ "انجمن" علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹

OK

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۵	یکم جنوری ۱۹۵۶ء	ایڈیٹر — قاضی عبدالغفار	۱۷ جمادی الاول ۱۳۷۵ھ	نمبر ۲۵

حق اور انصاف کی آواز ——— اور رکاوٹیں

تعصب اور تنگ نظری کے جتنے زیادہ حملے اقلیتوں کی زبانوں پر ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ واضح اور قطعی الفاظ میں ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو ان کا جواب دیتے رہتے ہیں اور اس طرح وہ حق اور انصاف کی آواز کو غوغائی جذبات سے دبنے نہیں دیتے۔

شمالی ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کی زبان کا مسئلہ اتر پردیش میں اردو زبان کا مسئلہ ہے۔ اس کی راہ میں حق اور انصاف کے مقابلے پر بہت سی رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں حد بندی کمیشن کی رپورٹ پر بحث کرتے ہوئے وزیر اعظم نے اقلیت کی زبانوں کی حفاظت کی تجاویز کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:

> "میں یہ کہوں گا کہ اس تمام رپورٹ میں اہم ترین مسائل وہ ہیں جن کا ذکر رپورٹ کے آخری ابواب میں کیا گیا ہے۔ جہاں اقلیتوں کے لئے بعض تحفظات کی سفارش کی گئی ہے۔ یہ تحفظات کافی ہیں یا نہیں یہ ایک علیحدہ سوال ہے۔ اگر کافی نہیں ہیں تو ان میں اضافہ کیجئے۔ لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ اس امر کے بالکل واضح تحفظات (خواہ وہ دستور میں لکھے جائیں یا کسی دوسرے طریقے سے) مقرر کئے جائیں کہ تمام ملک میں ہر زبان کے ساتھ ہر جگہ منصفانہ برتاؤ کیا جائے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں چونکہ اکثریت میں ہوں اس لئے میری زبان کو ترجیح ہونی چاہئے ——— دوسری زبانوں کو بھی خواہ وہ اقلیت کی ہوں مساوی حقوق حاصل ہوں .... میں تو یہ ایک اصول مقرر کرنا پسند کروں گا کہ اقلیت کو مطمئن کرنا اکثریت کا اولین فرض ہے۔ زیادہ مضبوط پوزیشن میں یہ ذمہ داری اکثریتی فرقے کی ہے۔ خواہ وہ لسانی ہو یا مذہبی کہ وہ اقلیت کے مطالبوں پر غور کرے اور اس کو اپنا بنائے یہی وجہ ہے کہ میں ہمیشہ ذاتی طور پر جہاں کہیں ایسا سوال پیدا ہو تو اقلیت کے حق میں ہوتا ہوں۔"

خاص طور پر اردو زبان کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جی نے فرمایا کہ :-

" میں صاف کہدوں کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کیوں بعض لوگ اردو زبان سے ڈرتے ہیں میں تو اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ میں اردو بولتا ہوں۔ میری سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آتی کہ ہندوستان کی کسی ریاست میں وہاں کے لوگ اردو زبان کو غیر ملکی سمجھیں یا یہ سمجھیں کہ یہ کوئی باہر کی چیز ہے۔ جہان کی عملداری میں دخل دے رہی ہے۔ میں تو اس بات کو بالکل سمجھ نہیں سکتا اردو کا نام ہمارے دستور میں درج ہے۔ کیا وہ صرف اس لئے درج ہے کہ آسمان پر رکھی رہے اور زمین پر نہ اتر سکے۔ یہی تنگ نظری ہے جس پر میں اعتراض کرتا ہوں۔ "

حق اور انصاف کی یہ آواز ہر طرف گونجتی ہے اور گونج کر ختم ہو جاتی ہے۔ اگر جو کچھ ہم سنتے ہیں وہ سچ ہے تو صدر جمہوریہ کے فیصلے میں اتر پردیش سرکار کی یہی ضد رکاوٹ پیدا کر رہی ہے کہ اردو جو کچھ بھی ہو لیکن اس ریاست کی علاقائی زبان نہیں ہو سکتی غلط دلیلیں اور غلط اعداد و شمار پیش کر کے عام رائے کو بہکانے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان انصاف پسند لوگوں کی تعداد بہت بڑی نہیں جو پنڈت جی کی زبان سے کلمۂ حق سن کر متاثر ہوتے ہیں مگر ایسے خود غرض نیتا بہت ہیں جو پنڈت جواہر لال نہرو کی آواز ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے اڑا دیتے ہیں۔ اب عام مخالفت کا وہ رنگ تو دھیما پڑ گیا ہے۔ جب کہا جاتا تھا کہ اردو تو کوئی زبان ہی نہیں لیکن صورت اب یہ اختیار کی گئی ہے کہ اردو کے وجود کو تسلیم تو کیا جاتا ہے لیکن اسی طرح کہ وہ آسمان پر رکھی رہے اور زمین پر نہ اترنے پائے! اس کے متعلق تمام فیصلوں کا انحصار اپنی پارٹی بندی اور سیاسی مصلحتوں کے تحت وزارتی حکومت اپنی صوابدید پر رکھنا چاہتی ہے اور یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اسے کوئی دستوری تحفظ حاصل ہو۔

بعض حلقوں میں ایک نکتہ یہ بھی پیدا کیا گیا ہے کہ ریاستی حکومت سے جھگڑا کر کے اگر صدر کے حکم سے اردو کو علاقائی زبان تسلیم کرا لیا گیا تب بھی حاصل کچھ نہ ہوگا اس لئے کہ ریاستی حکومت پھر بھی اردو زبان کو سوتیلی بیٹی سمجھتی رہے گی۔ ان اندیشہ ہائے دور دراز سے بعض دوستوں کے اعصاب متاثر ہوتے ہیں اور فضلا کی یہ جماعت کبھی اس بات پر غور نہیں کرتی کہ جہاں سیاسی پارٹیوں سے مقابلہ ہوتا ہے وہاں سمجھوتہ اور گھٹانے بڑھانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب اردو زبان کو کوئی دستوری حیثیت حاصل ہو اور پھر ریاستی سے سمجھوتہ کی کوئی گفتگو کی جائے۔ اس وقت بہت سے فارمولے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر فریقین میں ایک ہاتھ سے دینے دوسرے سے لینے کا عمل جاری ہو سکتا ہے۔

اس وقت تو یہ سارا مقدمہ ایک طرف ہے اور اس کا مسئلہ ارباب اقتدار کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے۔ اردو کی جو اہمیت پنڈت جواہر لال نہرو کی نظروں میں ہے وہ ہمارے بہت سے نیتاؤں کے دائرۂ فکر و نظر سے باہر ہے اس میں کمزور فریق یعنی اردو کی طاقت میں اضافہ کی بہت گنجائش موجود ہے۔ اگر اردو کے حامی اردو بولنے والوں کی عوامی تائید حاصل کر سکیں۔ لیکن ابھی تک حالت کچھ ایسی ہے کہ ملت کے مخصوص حلقوں میں سوچنے کا رجحان بہت قوی ہے جب تک ہم فکر و نظر کی اس سطح کو نیچا نہ کریں گے ہمارے مقدمے کی کمزوری رفع نہ ہو سکے گی۔ حکومت کے اعلیٰ مقامات تک وفد لے جانے اور معروضات پیش کرنے کا دائرہ بہت تنگ ہے اور قدیم رسم و راہ کی ان پابندیوں کو توڑے بغیر ہم اردو کی تحریک کے لئے میدان وسیع نہیں کر سکتے۔

اتر پردیش کا صوبائی کنونشن

۱۰ اور ۱۱ دسمبر کو لکھنؤ میں ایک ریاستی اردو کانفرنس صوبائی انجمن ترقی اردو کے اہتمام سے منعقد ہوئی۔ جس میں ۳۰ ضلعوں سے ۷۰۰ نمائندوں نے شرکت کی۔ کانفرنس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ حد بندی کمیشن کی رپورٹ کا تھا جس پر ریاستی نمائندوں نے تبادلۂ خیال کیا اور بعض سفارشیں مرکزی انجمن کو بھیجنے کے لئے منظور کی گئیں۔ کانفرنس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کی استقبالیہ کے صدر ایک اردو دوست اور ممتاز ہندو تھے اور کانفرنس کا افتتاح شری پری پورنا نند نے کیا جو اتر پردیش کے بڑے وزیر شری سمپورنا نند کے چھوٹے بھائی ہیں۔ انھوں نے تقریر میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ وہ کانفرنس کا افتتاح اپنے بڑے بھائی کی پوری رضامندی سے تشریف لائے ہیں اس لئے ان الفاظ کی روشنی میں جن سے شری پری پورنا نند نے اردو کے حق کی تائید اور اپنی حق پسندی کا ثبوت دیا ہم اتر پردیش کے بڑے وزیر کی پالیسی کا بھی کچھ پتا پا سکتے ہیں۔ بہ حیثیت مجموعی صوبائی کانفرنس نے حد بندی کمیشن کی رپورٹ کے بعض اہم پہلو

عوام کے سامنے پیش کر دیئے۔ اور اس طرح ریاستی عوام کو یہ بتا دیا کہ انہیں کمیشن کی رپورٹ کے متعلق اردو کے نقطۂ نظر سے کس سمت میں دیکھنا اور سوچنا چاہیئے۔ ہم اس رپورٹ کی برائیوں کے ساتھ اس کے اچھے پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس کی اہم ترین سفارش جس کی پرکانفرنس نے اسے سراہا ہے یہ ہے کہ اقلیتی زبانوں کے لئے دستوری تحفظات مہیا کئے جائیں۔ یہی وہ بنیادی چیز ہے جس کے دستوری شکل اختیار کرنے کے بعد ہندستان کے لسانی جھگڑے ایک حد تک طے ہو سکتے ہیں اور موجودہ کشمکش ختم ہو سکتی ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ جس پر کانفرنس نے غور کیا، مردم شماری کی رپورٹ کے غلط اعداد ہیں۔ جن کی بنا پر حد بندی کمیشن نے ایسے نتیجے حاصل کئے ہیں اور ایسی سفارشیں کی ہیں جو اقلیتی زبانوں اور خصوصاً اردو کے جائز حقوق کو پامال کر دیتی ہے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مردم شماری کے اعداد کس حد تک غلط ہیں، کانفرنس نے اپنی ایک تحقیقی کمیٹی مقرر کی ہے جو ضروری مواد جمع کرے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کمیٹی کا کام بہت تیزی اور عجلت کے ساتھ کیا جائے۔ تاکہ جلد ایسا مواد فراہم ہو جائے کہ مرکزی انجمن اس مسئلے کو پوری قوت کے ساتھ اٹھا سکے۔

ہم بغیر کسی تفصیلی تبصرے کے اس صوبائی کانفرنس کی روداد کے ضروری اقتباسات ان اوراق میں درج کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ "ہماری زبان" کے پڑھنے والے ان دو تین اہم ترین مسائل پر غور کریں گے۔ جن پر صوبائی سطح سے کل ہند سطح تک انجمن کو ایک مضبوط محاذ تیار کرنا ہے۔ اس صوبائی کانفرنس نے اب ان مسائل پر کل ہند نقطۂ نظر سے غور و فکر کرنے کا راستہ کھول دیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ "ہماری زبان" کے پڑھنے والے حد بندی کمیشن کی رپورٹ اور مردم شماری کے اعداد پر اپنے خیالات ان صفحات پر اشاعت کے لئے ہمیں بھیجیں تاکہ مرکزی انجمن اپنی رائے اور فیصلے کے اعلان سے پہلے اردو والوں کے احساسات سے زیادہ قریب آ جائے۔

جہاں تک صدر جمہوریہ کے جواب کا تعلق ہے ہم اس قدر مایوس نہیں۔ جس قدر کہ صوبائی کانفرنس میں بعض دوستوں کو ہم نے پایا ان کی مایوسی اس خلوص اور محبت پر مبنی ہے جو وہ اپنی عزیز زبان کے ساتھ رکھتے ہیں۔ لیکن مایوس ہو کر بھی انھیں فہم و تدبر کا توازن قائم رکھنا چاہیئے۔

بعض دوستوں نے کانفرنس میں ستیہ گرہ اور اسی قسم کے دوسرے اقدامات کی باتیں بھی بہت بلند آواز سے کیں۔ لیکن انھیں غالباً یہ بات یاد نہیں رہی کہ ہماری تحریک نے شروع ہی سے سیاست سے اپنا دامن بچایا ہے اور یہی عمل سب سے زیادہ ہماری تحریک

کی قوت کا باعث ہوا ہے۔ اس راستے سے ہٹ کر ہم ایک ایسے خارزار میں قدم رکھیں گے جس کے لئے نہ تو ہمارے پاس کوئی تنظیم ہے اور نہ ہمیں کوئی تربیت حاصل ہے یہ ایک اندھی گلی ہے جس میں گھس کر واپس لوٹنا پڑے گا۔ اس بڑھنے اور ہٹنے سے جو انتشار ہماری صفوں میں پیدا ہوگا اس کے علاوہ سب سے بڑا خطرہ ہمارے سامنے یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی ایسا انتشار پیدا ہوا فرقہ پرست عناصر ہماری پوری تحریک کو ختم کرنے کے لئے میدان میں آ جائیں گے اور ہمارے لئے ان کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے اردو دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ راستہ سیدھا ہو اور طویل ہو تب بھی ٹیڑھے راستوں سے بہتر ہے جن میں ہم بھٹک کر معلوم نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جائیں گے۔

صوبائی کانفرنس میں استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین کا خطبہ

"اردو کی صوبائی کانفرنس کا جو اجلاس لکھنؤ میں ۱۰، ۱۱ دسمبر کو ہوا۔ اس میں استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین شری ہیرالال ورما کے خطبہ کے ضروری اقتباسات حسب ذیل ہیں"

جو لوگ اس قومی زبان کی طرف سے بے تعلق ہیں یا اس سرسبز اور شاداب پودے کی بیخ کنی پر آمادہ ہیں وہ اس ملک کے بچے ہمدرد ہرگز نہیں کہے جا سکتے کیونکہ وہ اس ملک کی ایک بیش بہا نعمت کو کھو دینے کے حامی ہیں۔ کیا اس شخص کو جو ایلورا اور اجنتا کے نقش و نگار کو ضائع کر دینے کا حامی ہو آپ سچا ہندوستانی کہہ سکتے ہیں۔ اردو زبان کی خوبیاں اس کے لطیف اس کے روح افزا تاثرات اس بات کے متقاضی ہیں کہ آپ اپنی پوری قوت اور کوشش اس کے تحفظ میں صرف کر دیں۔

غلط فہمیوں کی طویل فہرست میں آپ حضرات کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہتا مگر جیسے ہی ہم علاقائی زبان کا نام لیتے ہیں ایک عجیب طرح کا ہیجان کچھ لوگوں میں پھیل جاتا ہے۔ سب سے بڑا زور دار اعتراض جو ہم سے کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آخر اردو اتر پردیش کے کس علاقے کی زبان ہے۔ جو آپ اسے علاقائی زبان منوانا چاہتے ہیں۔ میرا بہت مختصر سا جواب یہ ہے کہ اردو اتر پردیش میں کسی مخصوص علاقہ کی زبان نہیں ہے بلکہ ہم اسے علاقائی زبان اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زبان ہے اس علاقہ کی جسے آپ اتر پردیش کے نام سے پکارتے ہیں۔ دوسرا اس بات کا ہے کہ جو حضرات دس سال قبل اردو کی بقا کے لئے جس کی ہمدردی کا اظہار کرتے تھے

اور کہتے تھے کہ اردو کو ہرگز ہرگز نہیں مٹایا جا سکتا ہے آج وہ اسے معمولی سہولتیں دینے کے بھی متحمل نہیں ہیں۔ وعدہ خلافی اور پیمان شکنی کی اس سے بڑی مثال موجودہ زمانہ نہیں پیش کر سکتا ہے ہم ان حضرات کو تاریخ کے صفحات کا واسطہ نہیں دلانا چاہتے۔ ہم ان حضرات کو نیرنگیٔ زمانہ کا واسطہ نہیں دلانا چاہتے ہم اقلیتوں کے حقوق کا واسطہ نہیں دلانا چاہتے۔ ہم قدرت کی باریک پیسنے والی چکی کا واسطہ نہیں دلانا چاہتے ہم ان حضرات کو واسطہ دلاتے ہیں اس مرد میدان کا جس کا دامن تھام کر خونی اور طوفانی موجوں سے ٹکراتے ہوئے یہ ساحل پر آ لگے مگر کنارے پہنچتے ہی ان حضرات نے اس شانتی کے پجاری سے آنکھیں پھیر لیں اور اس کے بتائے ہوئے طریق کار کو یکے بعد دیگرے نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ میں ان حضرات سے کہوں گا حذر کیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو سامنا کرنا پڑے۔ ان خطرناک نتائج کا جن کی طرف اس راہبر نے برملا متوجہ کیا اور جن سے ملک کو بچانے کے لئے اس نے جان کی بازی لگا دی اور آخر کار شہید ہو گیا۔

میں دست بدعا ہوں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اردو کی قسمت کا فیصلہ ہے وہ صحیح تدبر سے کام لیں اور آپ حضرات کی تحریک انہیں صحیح راستہ دکھائے۔

ریاستی اردو کانفرنس کے صدر

پروفیسر مسعود حسن رضوی کی تقریر

محترم خواتین اور معزز حضرات!

ستمبر ۱۹۵۱ء میں کل ہند انجمن ترقی اردو نے ایک عارضی کمیٹی اس غرض سے بنائی تھی کہ وہ اتر پردیش کے اردو بولنے والے باشندوں کے بیس لاکھ دستخط حاصل کرے جن کی بنیاد پر صدر جمہوریہ سے درخواست کی جائے کہ وہ دستور ہند کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے سرکاری طور پر اردو کو یوپی کی علاقائی زبان تسلیم کر لیں۔ اس کمیٹی کے صدر بیکنٹھ باشی پنڈت کشن پرشاد کول صاحب تھے اور اس میں وہ سب لوگ کسی نہ کسی حیثیت سے شامل تھے جو اب ہماری ریاستی شاخ کے عہدہ دار اور خاص کارکن ہیں۔ اس کمیٹی نے ریاست بھر میں اپنے ساڑھے آٹھ سو مرکز قائم کئے جن سے پانچ ہزار رضاکار وابستہ ہو گئے اور ان کی ڈیڑھ سال کی مسلسل کوشش سے بیس لاکھ سے بہت زیادہ دستخط فراہم ہو گئے ان دستخطوں کو شہروار، محلے وار اور قریہ وار ترتیب دے کر انجمن ترقی اردو ہند کے ایک وفد کے ذریعے سے پندرہ من وزن کی درخواست صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں ۱۵ فروری ۱۹۵۴ء کو پیش کی گئی۔ اس وفد کے قائد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب تھے۔ اور پنڈت کشن پرشاد کول صاحب، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاضی عبدالغفار صاحب، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب، حیات اللہ انصاری صاحب، پنڈت سندر لال صاحب، قاضی محمد عدیل عباسی صاحب، کرشن چندر صاحب، شریمتی اُما نہرو صاحبہ، بیگم سلطانہ حیات صاحبہ اور یہ خاکسار اس کے ممبر تھے امید تھی کہ دو مہینے میں ہماری درخواست کا جواب مل جائے گا۔ مگر دو سال پورے ہونے کو ہیں اور ہم اب تک جواب کے منتظر ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ریاستی حد بندی کمیشن کی رپورٹ کا انتظار جواب میں تاخیر کا باعث ہوا ہو۔ علاقائی زبانوں کا مسئلہ یا صوبوں کی نئی حد بندی سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور کمیشن کے سامنے ریاست اتر پردیش کی تقسیم کا مطالبہ بھی تھا۔ لیکن اب کمیشن کی رپورٹ بھی آ چکی ہے اور اتر پردیش کی قانون ساز مجلسیں ریاست کی تقسیم کو نامنظور کر چکی ہیں۔ اس لئے اب صدر جمہوریہ کے فیصلے میں کوئی قانونی رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے اور وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے فیصلے کا اعلان فرما دیں۔ اکثریت کے لئے اپنے حقوق حاصل کرنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ دستور اور قانون کی طاقت کے امتحان کا وقت وہ ہے جب اقلیت اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے ان کی دہائی دیتی ہے اس وقت اتر پردیش کی ایک مخلوط اقلیت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب ہی شامل ہیں اپنے لسانی حقوق کے تحفظ کے لئے فریاد کر رہی ہے۔ امید ہے کہ صدر جمہوریہ دستور ہند کے ماتحت ان حقوق کو تسلیم کر کے ملک کی تمام اقلیتوں کو یہ محسوس کرا دیں گے کہ ایک طاقت ور دستور ان کی حفاظت کر رہا ہے اور ان کو خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حضرات! ادھر اخباروں میں کچھ قانونی بحثیں آپ کی نظر سے گزری ہوں گی۔ مثلاً یہ کہ دستور کی کسی دفعہ میں REGIONAL LANGUAGE یعنی علاقائی زبان کا ذکر نہیں آیا ہے۔ اس لئے اردو کو علاقائی زبان قرار دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یا یہ کہ خود دفعہ ۳۴۷ کا مطلب وہ نہیں ہے جو ہم لوگ سمجھ رہے ہیں۔ یا یہ کہ یوپی کی کل آبادی کو دیکھتے ہوئے بیس لاکھ کی تعداد اتنی کم ہے کہ اس کا اپنے لسانی حقوق کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب باتیں غلط فہمیوں پر مبنی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دستور کی کسی دفعہ میں علاقائی زبان کا لفظ نہیں ہے۔ لیکن اس کے سترھویں حصے کا عنوان ہے OFFICIAL LANGUAGE

یعنی سرکاری زبان اور اس کے پہلے باب کا عنوان ہے۔

(LANGUAGE OF THE UNION)

یعنی یونین کی زبان اور دوسرے باب کا عنوان ہے۔

(REGIONAL LANGUAGE)

یعنی علاقائی زبانیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے باب میں جو دفعات ہیں ان کا تعلق علاقائی زبانوں سے ہے اور مرکز کی سرکاری زبان کے علاوہ ملک کی دوسری زبانوں کو علاقائی زبان کہنا دستور کی رو سے درست ہے اور اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم کرنے کا مطالبہ قانونی حیثیت سے صحیح ہے۔ دفعہ ۳۴۷، اسی دوسرے باب میں

(REGIONAL LANGUAGE)

کے تحت میں ہے۔ اس لئے اس کا جو مفہوم ہم نے سمجھا ہے اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم کو لفظ علاقائی زبان کے استعمال پر اصرار نہیں ہے۔ ہم تو اپنی زبان کے لئے وہ حقوق اور تحفظ چاہتے ہیں جن کی تصریح ہم نے اس عرض داشت میں کر دی جو ساڑھے بیس (۲۰½) لاکھ دستخطوں سے صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہے۔ جن فارموں پر دستخط کئے گئے ہیں ان میں بھی ہم نے یہ لکھا ہے کہ اردو کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے۔ علاقائی زبان کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یوپی کی کل آبادی کی نسبت سے بیس لاکھ کی تعداد بہت کم ہے۔ اس سلسلے میں چند امور قابل ذکر ہیں۔

ہم نے حقیقت میں چوبیس لاکھ بالغوں کے دستخط حاصل کئے تھے۔ لیکن احتیاط کی راہ سے وہ تمام فارم جن میں کوئی اندراج مشکوک تھا علیحدہ کر دئے اس طرح ساڑھے تین لاکھ دستخطوں کو نکال کر ساڑھے بیس لاکھ بالغوں کے دستخطوں سے عرضداشت پیش کی۔ نابالغوں کی تعداد بالغوں کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے ان دستخطوں سے اتنا تو ثابت ہو ہی گیا ہے کہ یوپی میں اردو بولنے والوں کی مجموعی تعداد کم سے کم پچاس لاکھ ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یوپی میں اردو بولنے والے اتنے ہی نہیں ہیں جنہوں نے اس عرضداشت پر دستخط کئے ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کی تجویز کے مطابق اپنی عرضداشت میں وزن پیدا کرنے کے لئے بیس لاکھ دستخط کافی سمجھے گئے تھے۔ ورنہ اگر دستخطی مہم کچھ دن اور جاری رکھی جاتی تو پچاس ساٹھ لاکھ دستخط حاصل کئے جا سکتے تھے اور اب بھی حاصل کئے جا سکتے ہیں

دستور کی دفعہ ۳۴۷ میں لسانی حقوق کے مطالبے کے لئے کوئی تعداد یا نسبت مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اس میں ریاست کی آبادی کے کافی حصے کو اس مطالبے کا اختیار دیا گیا ہے اور کافی حصے کا مفہوم صدر جمہوریہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس دفعہ کا مقصد ان اقلیتوں کے لسانی حقوق کا تحفظ ہے جو اپنی عددی قوت کے ذریعے

اپنا مطالبہ تسلیم نہیں کروا سکتی ہیں۔ چالیس پینتالیس فیصدی کی اقلیت کے حقوق کو کوئی اکثریت دبا نہیں سکتی۔ دستور کے سہارے اور صدر کی امداد کی ضرورت تو انہیں اقلیتوں کو ہوتی ہے۔ جو سیاسی دباؤ سے اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکتیں۔ یعنی جن کی تعداد پندرہ بیس فیصدی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اس دفعہ میں

(SUBSTANTIAL PROPORTION)

یعنی کافی تناسب کے الفاظ سے یہ مراد لینا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ لسانی حقوق کا مطالبہ کرنے والی اقلیت کا ریاست کی کل آبادی سے نسبتی عددی تناسب دیکھا جائے گا اور اس کی تعداد نظر انداز کر دی جائے گی۔ اگر اس دفعہ سے یہی مراد ہو تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ مثلاً اگر پچاس لاکھ آدمی کسی ایسی ریاست میں بستے ہوں جس کی کل آبادی ڈھائی کروڑ ہو تو ان کے لسانی حقوق تسلیم کئے جائیں گے۔ لیکن اگر کسی ایسی ریاست میں بستے ہوں جس کی آبادی پانچ چھ کروڑ ہے تو ان کے حقوق تسلیم نہ کئے جائیں گے۔ اصولی حیثیت سے یہ منطق بالکل ناقص ہے۔

دشواریوں کا عذر البتہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب حد بندی کمیشن کی تجویز کے مطابق بعض نسبتہً چھوٹی ریاستیں دو زبانی اور سہ زبانی قرار دی جا سکتی ہیں تو ہماری ریاست اتر پردیش کو جو جمہوریہ ہند کی سب سے بڑی ریاست ہے اور جس کے وسائل اور محاصل سب سے زیادہ ہیں اردو کو مخصوص مقاصد کے لئے سرکاری طور پر تسلیم کر لینے میں کیا دشواری ہو سکتی ہے۔

حضرات! ہمارا یہ مطالبہ کہ ہماری مادری اور کلچری زبان کو اس کا جائز حق دیا جائے۔ ہماری دماغی اور مادی ترقیوں اور سربلندیوں سے ایسا وابستہ ہے کہ ہم کبھی اور کسی حالت میں اس سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ آزادی خواہ کسی طرح کی ہو اس کے لئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارا قافلہ جو لسانی آزادی کی طلب میں چل کھڑا ہوا ہے اگر عزم و استقلال کے ساتھ آگے بڑھتا رہا تو منزل مقصود تک پہنچ کر رہے گا۔

حضرات! ہم کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اردو کی بقا اور ترقی کے لئے ہم اپنا رسم خط چھوڑ کر دیوناگری اختیار کر لیں اور اپنی زبان سے فارسی عربی کے الفاظ نکال کر ان کی جگہ سنسکرت الفاظ بھر لیں۔ اگر کوئی غیر ذمہ دار شخص ایسی باتیں کہتا تو ہم ہنس کر چپ ہو رہتے لیکن جب ان لوگوں کی زبان سے یہ باتیں نکلتی ہیں۔ جو دستور ہند کے محافظ اور اقلیتوں کے حقوق کے نگراں بنائے گئے ہیں تو ہم کو یہ افسوسناک احساس ہوتا ہے کہ ابھی ہمارا ملک حقیقی جمہوریت کی منزل سے کس قدر دور ہے بہرحال ہم کو ناگری حرفوں سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور ہماری مرکزی

رقی اردو ہند عام پسند اردو کتابوں کو ناگری حرفوں میں چھاپنے کا
ذکر چکی ہے۔ مگر اردو رسم خط میں کچھ ایسی خوبیاں ہیں کہ اس کا ترک کر دینا
ے قومی نقصان ہوگا۔ اردو کی تحریر ایک طرح کی مختصر نویسی یعنی شارٹ
ینڈ ہے۔ اس کو لکھنے میں وقت بھی کم لگتا ہے اور کاغذ بھی۔ اس تحریر
کتابیں کم خرچ میں چھپ جاتی ہیں اور وہ کم وقت میں پڑھی جا سکتی ہیں
۔ اس عجلت پسندی اور اقتصادی کشمکش کے زمانے میں وقت
نذا اور روپے کی یہ بچت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس کے علاوہ
دو حرفوں میں ناگری حرفوں سے کہیں زیادہ آوازیں ادا کی جا سکتی ہیں
ں بات اور بھی ہے۔ ناگری خط ہندوستان کے بعض حصوں کے سوا
یا کے کسی اور خطے میں استعمال نہیں کیا جاتا اور اردو کا رسم خط وہ
۔ جو ایشیا کے کئی ملکوں، یورپ کے بعض خطوں اور افریقہ کے ایک
ے حصے میں رائج ہے اور دنیا کی کئی زبانیں انہیں حرفوں میں لکھی
تی ہیں۔ ہندوستان کو ان تمام ملکوں سے سیاسی، تجارتی اور تہذیبی
لقات قائم رکھنا ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے اردو کے موجودہ رسم خط
باقی رکھنا بہت مفید ہے۔

اب رہا یہ مشورہ کہ اردو سے عربی فارسی کے الفاظ خارج
رکے سنسکرت کے الفاظ داخل کر دئے جائیں۔ اس سلسلے میں عرض
ے کہ اردو اصل میں عوامی بولی تھی جس میں تاریخی حالات کے ماتحت
سنسکرت، قدیم ایرانی، قدیم یونانی، تورانی، فارسی، عربی، ترکی، فرانسیسی،
تگالی، انگریزی اور نہ معلوم کن کن زبانوں کے الفاظ شامل ہوتے رہے
ہندوستان کی دوسری ریاستیں جو ایک زمانے میں مختلف ملکوں کی حیثیت
ھتی تھیں، ان کی زبانوں کے یعنی پنجابی، گجراتی، بنگالی وغیرہ کے الفاظ
بھی اس میں ملتے رہے۔ یہ عمل صدیوں جاری رہا۔ یہاں تک کہ آج سے
ار پانچ سو برس پہلے عالموں اور ادیبوں نے اس زبان سے کام
نا اور اس کے سرمائے میں اضافہ کرنا شروع کیا۔ ایک مدت کے بعد
س کی صرف و نحو کے قاعدے بنائے گئے اور اس کا لغت مرتب
یا گیا۔ یہ کام بھی تین چار سو برس سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ مختصر یہ
ر فطری اسباب، تاریخی حالات اور انسانی کوششیں مل کر صدیوں
ے کام کرتی رہی ہیں تب جا کر اردو زبان اس قابل ہوئی ہے کہ خیالات
ا پیش رفت اور علوم کی ترقی کا ساتھ دے سکے۔

کسی ملک کی زبان میں۔۔۔ غیر ملکی زبانوں کے الفاظ کا شامل ہو
جانا کوئی عیب نہیں ہے جس کو دور کرنا ضروری ٹھہرے۔ انگریزی فرانسیسی
ور جرمن دنیا کی سب سے عظیم زبانیں ہیں۔ لیکن ان کا بڑا حصہ لاطینی
ور یونانی لفظوں پر مشتمل ہے اور ان میں دوسری یورپی زبانوں بلکہ
فارسی، عربی، ترکی، عبرانی تک کے بہت سے الفاظ شامل ہیں حقیقت

یہ ہے کہ جو قوم جتنی زیادہ متمدن اور مہذب ہوگی اور اس کے سیاسی
تجارتی علمی، تہذیبی تعلقات دوسری قوموں سے جتنے زیادہ ہوں گے
اتنا ہی اس کی زبان میں دوسری زبانوں کا میل زیادہ ہوگا۔

فارسی، عربی لفظوں کی آمیزش سے اردو میں یہ خصوصیت پیدا
ہوئی ہے کہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں صرف یہی ایک زبان ہے
جو ایشیا کے کئی ملکوں کی زبانوں سے بہت قریب ہے جس کو بولنے
اور سمجھنے والے ان ملکوں میں بھی موجود ہیں اور جس کو ان ملکوں کے
باشندے آسانی سے سیکھ سکتے ہیں۔

اسی طرح اردو بولنے والوں کے لئے عربی اور ترکی سیکھ لینا
اوروں کے مقابلے میں کہیں آسان ہے۔ اس صورت حال سے صاف
ظاہر ہے کہ اردو زبان ہندوستانی اور متعدد ایشیائی ملکوں کے درمیان
تمدنی اور تہذیبی تعلقات قائم کرنے کا بہت اچھا ذریعہ ہے اور اس
میں فارسی، عربی لفظوں کو نکال کر سنسکرت الفاظ داخل کرنا اس کو
اس صفت سے محروم کر دینا ہے۔ سنسکرت کے ہزاروں الفاظ اپنی
اصلی یا بدلی ہوئی شکل میں اردو زبان کا بنیادی سرمایہ ہیں اردو زبان کے
فطری ارتقا کے ماتحت سنسکرت کے جو نئے الفاظ آتے رہیں گے
ان کا ہم خیر مقدم کریں گے۔ لیکن غیر فطری طور پر بعض عناصر کو خارج اور
بعض کو داخل کرنا کسی جماعت کے حدود اختیارات سے باہر ہے جہاں
کہیں اس طرح کی کوششیں کی گئیں وہاں ان کا انجام ناکامی پر ہوا۔

حضرات! ہمارے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ زیادہ تر غلط
فہمیوں پر مبنی ہیں۔ انجمن ترقی اردو اور اس کی ریاستی اور مقامی شاخیں ان
غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ
اب اردو کا مطلع اتنا ابر آلود نہیں ہے جتنا کچھ پہلے تھا ان غلط فہمیوں
کو دور کرنے میں جس چیز نے ہماری سب سے زیادہ مدد کی وہ ہمارے
محبوب وزیر اعظم عالی جناب پنڈت جواہر لال نہرو کی وہ تقریریں ہیں جو
وہ ملک میں جمہوریت کا صحیح تصور پیدا کرنے کے لئے برابر کرتے رہتے ہیں
ممدوح نے مختلف موقعوں پر بیسوں مرتبہ اردو کے پوزیشن کی وضاحت
اور اس کے حقوق کی حمایت فرمائی ہے۔ ابھی ۸ دسمبر کو انجمن ترقی اردو
حیدر آباد کے نو تعمیر اردو ہال کا افتتاح فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ
اردو ہندوستان کا قیمتی سرمایہ ہے اور وہ جتنی ہی ترقی کرے گی۔ اتنا
ہی ملک کو اور نیز دوسری زبانوں کو فائدہ پہونچے گا۔ اردو کو بدیسی
زبان یا مسلمانوں کی زبان کہنا بے معنی بات ہے۔ آپ نے غیر اردو داں
لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ اردو کے خلاف معاندانہ نقطہ نظر نہ رکھیں اس لئے
کہ اس کے معنی تنگ نظری کے سوا کچھ نہ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ حکومت
کا فرض ہے کہ اسے پیش نظر رکھے کہ ملک کی تمام زبانوں کو ترقی کرنے کے برابر

موقع ملیں اور لوگوں کو اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں حاصل ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہماری چودہ قومی زبانیں ہیں جن کی فہرست دستور میں شامل ہے اور اس فہرست میں اردو بھی شامل ہے ہمارے دل ممدوح کے شکریے سے لبریز ہیں۔

ہم اپنی ریاستی حکومت کے بھی شکر گزار ہیں کہ اس کے مناسب اقدامات کے نتیجے میں اس ریاست کے سیکڑوں پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھائی جانے لگی ہے، اردو کی ریڈریں تیار ہو گئی ہیں۔ جونیر اور ہائی اسکولوں کے نصاب میں ایسی ترمیم کر دی گئی ہے کہ اردو پڑھنے کے لئے انگریزی کو پڑھنا ضروری نہیں رہا اور بہت سے جونیر اسکولوں میں اردو رائج ہو گئی ہے۔ کہیں کہیں عدالتوں اور دفتروں میں اردو میں درخواستیں لی جانے لگی ہیں۔ ابھی تھوڑے دن ہوئے انجمن ترقی اردو اتر پردیش کا ایک وفد وزیر اعلیٰ جناب سمپورنانند صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اردو ریڈروں کے نقائص بیان کئے اور اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ اردو کے علاوہ دوسرے درسی مضامین کی کتابیں اردو میں موجود نہیں ہیں اور اس وجہ سے اردو کے ذریعے سے تعلیم حاصل کرنے کا مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے۔ اس صورت حال سے بھی مطلع کیا کہ بیشتر عدالتیں اردو میں درخواستیں قبول نہیں کرتی ہیں۔ ممدوح نے ان تمام شکایتوں کو دور کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرات ہمارے لئے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ملک کی تقسیم کے بعد اردو کی مخالفت کا جو طوفان ہر طرف اٹھ رہا تھا اس کی رفتار برابر دھیمی ہوتی جا رہی ہے اور ہندی کے حامیوں پر یہ حقیقت واضح ہوتی جا رہی ہے کہ اردو ہندی کی حریف نہیں ہے نہ اردو کی مخالفت سے ہندی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے نہ اردو کی حمایت سے ہندی کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب مختلف سیاسی جماعتوں اور مذہبی فرقوں کے ممتاز افراد اردو کو اس کا جائز مقام دلوانے کی کوشش میں دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ مبارک ہیں یہ لوگ جو تعصب اور تنگ نظری کی زنجیریں توڑ کر ملک میں سچی جمہوریت قائم کرنے کی جدوجہد میں پیش پیش ہیں۔

حضرات! آپ کی مسلسل کوششوں سے اردو کی ہستی خطرے سے باہر ہو گئی ہے اور اس کی پیش رفت کا راستہ بہت کچھ صاف ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنی کوششوں کو بار آور دیکھ کر آپ کے دل نئی امیدوں سے روشن ہو گئے ہوں گے۔ اور اب ان امیدوں کے ساتھ اپنی جدوجہد کی رفتار ضرور تیز سے تیز تر کرتے جائیں گے۔ ابھی آپ کو بہت سے کام انجام دینا ہیں جن پر اردو کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔

(۱) ہم کو انجمن ترقی اردو کی شاخیں ہر شہر اور قصبے میں اور ان شاخوں سے متعلق کام کے مرکز ہر قریے میں قائم کرنا ہیں اور انجمن کے ممبروں کی تعداد پچیس تیس ہزار تک پہنچانا ہے۔

(۲) ہم نے ریاستی کانفرنس لبستی میں اعلان کیا تھا کہ ہم ابتدائی مدرسوں میں اردو پڑھنے والے چار لاکھ بچوں کو داخل کرادیں گے۔ اس تعداد کو آئندہ جنوری اور جولائی میں پورا کر دینا ہے۔

(۳) ہر شاخ کو کم سے کم ایک شبینہ مدرسہ قائم کرنا ہے جس میں ایک درجہ بالغوں کو اردو پڑھانے کا اور ایک ان بچوں کی تعلیم کا ہو جن کی مادری زبان اردو ہونے کے باوجود وہ اسکولوں میں اردو نہیں پڑھ سکے۔

(۴) ایسے مطالعہ خانے کثیر تعداد میں قائم کرنا ہیں جہاں لوگوں کو اردو کتابیں۔ رسالے اور اخبار پڑھنے کی سہولت ہو۔

(۵) اردو کی موافق اور مخالف جماعتوں میں اردو زبان اور اردو کی تعلیم کے بارے میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو دور کرنا ہے۔

(۶) ریاست کے مرکز میں ایک ایسا کتب خانہ قائم کرنا ہے جو اردو زبان کی قدامت اور اردو ادب کی عظمت کا ناقابل انکار ثبوت ہو۔

یہ سب کام بڑی محبت اور قوت عمل چاہتے ہیں۔ اگر یہ فہرست ادیبوں اور شاعروں کے کسی مجمع میں پیش کی جاتی تو اس کی حیثیت دل خوش کن خیال آرائی کے سوا کچھ نہ ہوتی۔ مگر آپ لوگ آزمودہ کار سپاہی ہیں اور اردو کی کئی چھوٹی بڑی لڑائیاں جیت چکے ہیں۔ مجھے آپ کے عزم و استقلال پر بھروسا ہے اور امید ہے کہ آپ کی انتھک کوششوں سے یہ سب کام تکمیل کی منزل تک ضرور پہنچیں گے۔

حضرات! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا اور میرے معروضات کو توجہ سے سنا۔

قراردادیں

(۱)

انجمن ترقی اردو اتر پردیش کی ریاستی اردو کانفرنس کا یہ جلسہ صدر جمہوریہ کو اس عرض داشت کی طرف توجہ دلاتا ہے جو اتر پردیش کی اردو بولنے والوں میں سے ساڑھے بیس لاکھ بالغوں کے دستخط سے ۱۵ فروری ۵۴ء کو ان کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور پر زور درخواست کرتا ہے کہ ہمارے جو مطالبات اس عرضداشت میں درج ہیں، اور جن کی تائید ریاستی حد بندی کمیشن کی رپورٹ سے بھی ہوتی ہے ان کو منظور فرما کر دستور کی دفعہ ۳۴۷ کے تحت اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان قرار دیں اور اس کو ان اغراض کے لئے جن کی تصریح عرض داشت میں کر دی گئی ہے سرکاری طور پر تسلیم کر لیں اور اردو بولنے والوں کو وہ حقوق و مراعات بھی عنایت فرمائیں جو حد بندی کمیشن نے لسانی اقلیتوں کے لئے تجویز کئے ہیں۔ ہماری عرض داشت کے جواب میں جو غیر معمولی تاخیر ہو رہی ہے وہ اردو بولنے والوں میں سخت بے چینی

کا باعث ہے۔

(۲)

ریاستی حد بندی کمیشن نے مختلف ریاستوں کی لسانی اقلیتوں کے لئے جو سفارشیں کی ہیں ان کو یہ کانفرنس عمومی حیثیت سے قابل اطمینان سمجھتی ہے اور اس تجویز سے اتفاق کرتی ہے کہ اقلیتوں کے لسانی حقوق کا تحفظ مرکزی حکومت کے ذریعے سے کیا جائے یہ کانفرنس اپنی اس رائے پر مرکزی انجمن ترقی اردو کو توجہ دلاتی ہے اور سفارش کرتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں جلد سے جلد مناسب اقدامات کرے۔

(۳)

یہ کانفرنس اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ گزشتہ مردم شماری میں اتر پردیش میں زبانوں کے اندراج کے سلسلے میں اس طرح کی بے ضابطگیاں کی گئی ہیں جیسی پنجاب میں کی گئی تھیں اور جن کی بنا پر وہاں زبان کے شمار کو غلط قرار دیا گیا تھا۔ مردم شماری کے دوران ہی میں اتر پردیش کے اردو بولنے والوں کے خطوط کثیر تعداد میں اخبارات میں شائع ہوئے تھے جن میں شکایت کی گئی تھی کہ ان کی زبان کا اندراج غلط کیا جا رہا ہے اس کے علاوہ اور وجوہ بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو کے بارے میں جو اندراجات کئے گئے ہیں قطعاً غلط ہیں یہ کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ حد بندی کمیشن کی سفارشات کو اتر پردیش میں نافذ کرتے وقت اردو بولنے والوں کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے لئے مردم شماری کی رپورٹ کے علاوہ دیگر ذرائع اختیار کرے یہ کانفرنس کامل یقین رکھتی ہے کہ اگر اس معاملے کی تحقیقات کے لئے کوئی غیر جانب دار کمیشن مقرر کیا جائے تو مردم شماری کے بے قاعدہ اندراجات ظاہر ہو جائیں گے۔

(۴)

ریاستی اردو کانفرنس انجمن ترقی اردو اتر پردیش یہ محسوس کرتی ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی میں اردو کو جو مقام حاصل ہونا چاہئے وہ اسے حاصل نہیں ہے۔ یونیورسٹی نے بی۔ اے کے طلباء کے لئے جو زبانیں لازمی مضمون کی حیثیت سے منظور کی ہیں۔ ان میں تامل۔ مرہٹی۔ بنگالی سنسکرت اور ہندی کے ہی نام ہیں اردو کا نہیں ہے۔ لیکن لکھنؤ میں اردو کو جو تہذیبی اور عوامی حیثیت حاصل ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ صورت حال بہت غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اس ریاست کے بہت سے طلباء ہندی کے ساتھ تامل مرہٹی یا بنگالی کے بجائے اردو پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس لئے یہ کانفرنس لکھنؤ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد کی توجہ اس ناانصافی کی جانب مبذول کرانا چاہتی ہے اور استدعا کرتی ہے کہ جلد سے جلد اردو کو لازمی زبانوں کی فہرست میں شامل کرے نیز یہ کہ کانفرنس یونیورسٹی کے ارباب اقتدار سے یہ بھی درخواست کرتی ہے کہ اردو کی اہمیت اور مسلمہ حیثیت کے پیش نظر یونیورسٹی میں اردو کا ایک علیحدہ شعبہ قائم کرے۔

(۵)

اس کانفرنس کی رائے میں بیسک اسکولوں میں جو اردو کی ریڈریں رائج ہیں وہ تعلیمی لحاظ سے بہت ناقص ہیں اور مضامین کے لحاظ سے وہ سیکولر بھی نہیں ہیں۔ ریڈرس ہندی ریڈروں کا ترجمہ ہیں اس لئے تعلیمی لحاظ سے ایک بہت ہی عجیب صورت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ یہ کہ طالب علم جو سبق ہندی ریڈروں میں پڑھتا ہے وہی اردو ریڈروں میں پڑھتا ہے۔ اس لئے کانفرنس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس مضر صورت حال کو ختم کرے اور آئندہ جولائی تک اردو کی مناسب ریڈریں شائع کرے۔

(۶)

اس کانفرنس کی رائے میں انجمن کے اغراض اور کام کو زیادہ وسعت پھیلانے کے لئے ضروری ہے کہ جہاں جہاں اس کی شاخیں قائم کی جائیں اور اس کے ممبروں کی تعداد بڑھانے کے لئے ممبر سازی کی مہم چلائی جائے اور کوشش کی جائے کہ اتر پردیش میں جنوری کے آخر تک کم سے کم پانچ ہزار ممبر ہو جائیں۔

(۷)

یہ کانفرنس انجمن کی سب شاخوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ جنوری میں بیسک اسکولوں کے داخلے کے لئے ابھی ابھی سے جد و جہد کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ اس موقع پر زیادہ سے زیادہ ۔۔۔۔۔ اسکولوں میں کلاس میں دس یا اسکول میں چالیس کے فارمولا کے مطابق اردو رائج کرائی جائے۔

(۸)

ریاستی اردو کانفرنس مرکزی انجمن ترقی اردو ہند سے درخواست کرتی ہے کہ اتر پردیش میں اسکولی مہم کو چلانے اور کامیاب بنانے کے لئے کم از کم پانچ ہزار روپے سے مزید امداد کرے تاکہ اس رقم سے ان اضلاع میں جہاں بار بار توجہ دلانے کے باوجود کوئی کام نہیں ہو سکا ہے سیفروں کو بھیج کر کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔

اردو کی تحریکوں کو آگے بڑھانے کے لئے سرمائے کی بہت ضرورت ہے۔ اس غرض سے اس کانفرنس کی رائے میں انجمن کی شاخوں کو چاہئے کہ وہ سرمایہ اکٹھا کرنے کے لئے ہر ممکن اور مناسب ذرائع اختیار کریں۔ مثلاً اردو بازار لگایا جائے۔ ان بازاروں میں مقامی ادیب اور شعراء اور اردو دوست صاحبان سامان فروخت کریں

اس کے علاوہ لوگوں سے چندے میں نئی یا پرانی کار آمد چیزیں حاصل کریں جن کو بازار میں نیلام کیا جائے۔ یہ بازار خواتین کے لئے بھی لگائے جائیں۔

(ط) یہ صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے کہ اس غرض سے مشاعرے اور تمثیلی مشاعرے کئے جائیں یا ڈرامے کھیلے جائیں اور شاعر اور ادیب اس میں حصہ لیں۔

(۹)

اتر پردیش کی یہ ریاستی اردو کانفرنس طلبائے یو پی کے اردو کنونشن کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے جو انھوں نے اردو کے تعلیمی مسائل پر غور کرنے کے لئے حال میں منعقد کیا تھا اور اس بات پر اظہار اطمینان کرتی ہے کہ انھوں نے پاسبان اردو تعلیم اتر پردیش کے نام سے ایک انجمن بنائی ہے جو اس جدوجہد کو جاری رکھے گی۔

یہ اردو کانفرنس طلبا کو یقین دلاتی ہے کہ وہ انجمن ترقی اردو کی پالیسی کے حدود کے اندر تعاون کرتی رہے گی۔

مختلف قراردادیں

طے ہوا ہے کہ حسب ذیل اصحاب پر مشتمل ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی جائے کہ وہ ممبران حکومت اور ممبران مجالس قانون ساز اور دیگر جماعتوں سے رابطہ پیدا کرے اور انجمن ترقی اردو کے مطالبات کی وضاحت کرے اور ان کی ہمدردی اور تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

(۱) قاضی محمد عدیل عباسی (۲) مولانا شاہد فاخری۔
(۳) عبداللطیف بجنوری (۴) مولانا منظور النبی (۵) جناب پری پورن نند (۶) سردار بلونت سنگھ (۷) سکریٹری کنوینر۔

یہ بھی طے ہوا کہ کمیٹی کو کوآپٹ کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی گئی کہ وہ مردم شماری کی غلطیوں کے متعلق مواد جمع کرے۔

انجمن کی رکنیت کے انتخابات

۲۶ ستمبر کو مجلس عاملہ کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں حسب ذیل ۱۶ حضرات انجمن کے رکن منتخب ہوئے۔

(۱) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی الہ آباد۔
(۲) افضل العلما ڈاکٹر عبدالحق۔ مدراس
(۳) مولوی محمد فضل الرحمٰن صاحب۔ حیدرآباد
(۴) سید شہاب الدین دسنوی صاحب بمبئی
(۵) سید احتشام حسین صاحب۔ لکھنؤ
(۶) سید سجاد ظہیر صاحب لکھنؤ
(۷) حمیدہ سلطان صاحبہ۔ دہلی
(۸) ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب۔ دہلی
(۹) پروفیسر اختر حسین اورینوی۔ پٹنہ۔ بہار۔
(۱۰) صدر یار جنگ؟ نواب صاحب چھتاری۔ علی گڑھ
(۱۱) کرنل بشیر حسین زیدی۔ دہلی
(۱۲) حامد علی خاں صاحب دہلی۔
(۱۳) مالک رام صاحب۔ دہلی
(۱۴) گوپی ناتھ امن صاحب دہلی۔
(۱۵) قاضی محمد عدیل عباسی صاحب۔ بستی
(۱۶) اجمل خاں صاحب۔ دہلی۔

اس جلسے میں حسب ذیل تعزیتی قراردادیں بھی منظور کی گئیں

(۱)

"انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عاملہ اپنے نائب صدر اور قدیم رکن علامہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی وفات پر اپنے رنج والم کا اظہار کرتی ہے اور علامہ موصوف کے ورثا اور پس ماندگان کی خدمت میں اپنی ہمدردی کا اظہار کرتی ہے۔ علامہ موصوف مرحوم نے عمر بھر اردو زبان کی جو شاندار خدمات کیں وہ اردو کے تمام حامیوں کے لئے ہمیشہ چراغ ہدایت ہوں گی۔ مرحوم کی وفات سے اردو دوستوں کی صف اول میں ایک ایسی جگہ خالی ہوئی ہے جو پر نہیں ہو سکتی۔"

(۲)

"انجمن ترقی اردو (ہند) کی مجلس عاملہ کا یہ جلسہ اردو زبان کے ممتاز نوجوان شاعر اسرار الحق مجاز کی بے وقت وفات پر اپنے رنج والم کا اظہار کرتا ہے۔ مرحوم ہمارے نوجوان شعرا میں ایک بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کی وفات اردو زبان کا بہت بڑا نقصان ہے۔ جس کی تلافی ممکن نہیں۔"

اردو کا مستقبل

(مذاق چھپوندوی)

ایک طرف تو یہ شور سنائی دے رہا ہے کہ اردو ختم ہو گئی، اس کا کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اسے دیس نکالا دیا جا رہا ہے۔ اب اس کی زندگی کے کوئی آثار نہیں، یہ اس کی ۔ ۔ ۔ آخری سانسیں ہیں۔ اور جب ہم اپنے ذمہ دار لیڈروں کا طرز عمل دیکھتے ہیں تو اس بات میں سچائی بھی معلوم ہوتی ہے، اور ایسا جان پڑتا ہے کہ واقعی اب اردو بالکل دم توڑنے والی ہے اور شاید یہ بہت جلد ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے۔

لیکن جب ہم عوام کے رجحان کی طرف نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے یہ سب خیالات واہمہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے اردو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ اسے کوئی مٹا نہیں سکتا۔ بلکہ یہ پہلے سے زیادہ ترقی کرے گی اور اگر دیکھا جائے تو واقعی یہ پہلے سے زیادہ ترقی کر رہی ہے۔

اس وقت ہندی پبلک، اردو ادب کے لئے کتنی بیتاب ہے۔ اس کا کچھ کچھ اندازہ ہم صرف ایک بات سے کر سکتے ہیں کہ آج کل ملک کے گوشے گوشے سے دوسری زبانوں میں اردو لٹریچر منتقل ہو رہا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتے اور ان کی مانگیں برابر بڑھتی جا رہی ہیں۔

اس وقت میرے پیش نظر بہار (پٹنہ) سے شائع ہونے والی شعر و سخن نام کی کتاب کے وہ پانچ حصے ہیں جو شری اجودھیا پرشاد جی گوئل نے بڑی کاوش و جانفشانی سے ترتیب دئے ہیں۔

سب سے پہلے گوئل جی نے شعر و شاعری کا پہلا حصہ آٹھ سو صفحے کی ضخامت کا شائع کیا جس کی قیمت آٹھ روپے رکھی گئی، اور پانچ ہزار کاپیوں کا پہلا ایڈیشن شائع کیا گیا۔ ساتھ ہی ایک دوسری کتاب شعر و شاعری کی جو قیمت اور ضخامت میں اس کے برابر ہے پانچ ہزار کی تعداد میں چھپوائی گئی۔ اگر اردو میں اتنی بڑی بڑی کتابیں شائع کی جائیں جن کی قیمت آٹھ آٹھ روپے ہو گی تو خواہ وہ بڑے سے بڑے شاعر ہی کا کلام کیوں نہ ہو تا ان کی پانچ پانچ ہزار جلدیں فروخت ہونے کے لئے کم سے کم دس برس چاہئے پڑتے۔ لیکن آپ کو حیرت ہو گی کہ گوئل صاحب کی یہ دونوں کتابیں اس حالت میں کہ ان کا پروپیگنڈہ بھی کافی نہیں ہوا تھا صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصے میں ختم ہو گئیں۔ اور ان کے دوسرے مجموعے بھی ... قریب الختم ہیں۔

گوئل صاحب نے اب تک جو کچھ لکھا ہے اس پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ۔ ۔ ۔ ہندی میں اردو کا جو ادب منتقل کیا جا رہا ہے وہ کتنا باقاعدہ، کتنا شستہ اور کتنا مکمل ہے۔ میں اجمالاً آپ حضرات کی دلچسپی کے لئے اس پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال رہا ہوں تاکہ آپ بھی اس پرستار اردو کی خدمات کا اندازہ لگا سکیں۔

شعر و سخن جلد اول میں اردو زبان کی تخلیق اس کی تدریجی ترقی اور اس کے شباب وغیرہ کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے۔ حضرت امیر خسرو سے شروع کر کے ابراہیم عادل شاہ اور اس کے بعد کے سلاطین اور ان کے دربار سے منسلک شعراء تک یہ سلسلہ بڑی خوبی سے پہنچایا گیا ہے۔

اس کے بعد ولی، سراج اور داؤد کا ذکر کر کے دہلی کی شعراء میں حاتم، آرزو، مظہر جان جاناں۔ حاتم۔ مضمون، آبرو، تاجی، یکرنگ، احسن اور فغاں وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد سودا، میر، سوز، درد، قائم چاندپوری، اثر، تاباں، یقین، بیدار، ضیا، حسن، بیان افسوس، جرأت، فراق اور حزیں وغیرہ کا تذکرہ ہے۔

اس کے بعد والے دور میں شاہ نصیر، ذوق، مومن، غالب آزردہ اور ممنون کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی ذوق کے شاگردوں میں ظفر، آزاد، داغ، ظہیر، انور اور مومن کے شاگردوں میں شیفتہ، تسکین، تسلیم، سالک اور غالب کے شاگردوں میں حالی، مجروح، ذکی اور احسان وغیرہ کا ذکر ہے۔ لکھنوی شعراء میں مصحفی، انشا، جرأت، راسخ، ہوس، شہیدی اور رنگین وغیرہ کا ذکر کر کے آتش، ناسخ، آتش اور ناسخ کے شاگردوں میں برق، بحر، آباد، وزیر، اشک، مہر، منیر وغیرہ اور آتش کے شاگردوں میں رند، نسیم، شرف، خلیق اور صبا وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اس کے بعد والے دور میں امیر اور ان کے شاگرد، امانت قلق، ذکی، درخشاں، تسلیم، امیر مینائی، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جلال، نظم اور جاوید کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ گیارہ بیگمات شاعرہ اور آٹھ با کمال اودھ کی شاعری کا بھی ذکر ہے۔ ہر شاعر کے ذکر کے ساتھ اس کا منتخب اور کافی کلام دیا گیا ہے اور اشعار کے انتخاب کا سلیقہ قابل تحسین ہے۔

شعر و سخن کے حصہ دوم میں لکھنؤ اسکول کے اساتذہ کا ذکر ہے اس میں نظم طباطبائی، صفی، ثاقب، آرزو، امید لکھنوی، ریاض جلیل، دل شاہجہاں پوری، حفیظ جونپوری، سرشار لکھنوی، شوق ناطق لکھنوی اور عزیز و اثر وغیرہ ہم کا کلام ہے۔ اس سلسلے میں مضطر خیرآبادی کا نام رہ گیا۔ غالباً ادھر نظر نہیں گئی ہے۔ آئندہ جلدوں میں ان کا ذکر ہو جائے گا جو نہایت اہم ہے۔

حصہ سوم میں شاد عظیم آبادی، دتاتریہ کیفی، آزاد انصاری

حسرت موہانی، فانی بدایونی، وحشت کلکتوی، یگانہ چنگیزی، امجد حیدرآبادی، آسی غازی پوری، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی، آخر مینائی وغیرہم کا ذکر ہے۔

حصہ چہارم میں داغ کے شاگردوں کا ذکر ہے جس میں قریب قریب بھی مشہور شاعر آگئے ہیں جن کی تعداد تیس سے زیادہ ہے، ساتھ ہی ان اساتذہ کے ان شاگردوں کا بھی تذکرہ ہے جو اب استادی کے درجے تک پہنچ گئے ہیں اور جن کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے۔

حصہ پنجم میں ان شعرا کا تذکرہ ہے جو مختلف اساتذہ کے شاگرد ہیں اور جو اس وقت خود بھی استاد ہیں۔ ان کی تعداد پچاس سے زیادہ ہے جن میں تیرہ خواتین شعرا بھی شامل ہیں۔

شعور شاعری میں اکتیس قدیم شعرا کا تذکرہ ہے۔ چونکہ کتاب اس وقت موجود نہیں ہے۔ اس پر مکمل روشنی آئندہ ڈالی جائے گی۔

جو مسلمان ہندی جانتے ہیں وہ ان کتابوں کو ضرور منگائیں اور جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ ہندی نہ جانتے ہوئے بھی ان کتابوں کا سیٹ اپنے پاس رکھیں اور اپنے ہندی جاننے والے دوستوں کو پڑھنے کے لئے دیں، یہ بھی ایک پہلو اردو کی خدمت کا ہے۔

ابھی اس طرح کے تقریباً چھ حصے اور زیر تالیف ہیں جن میں سے دو تیار ہو چکے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی کا کارنامہ

پنجاب یونیورسٹی نے اردو کو ہندی اور پنجابی کے برابر درجہ دینے کا فیصلہ کیا ہے اور امتحانات میں جواب ہندی اور پنجابی کی طرح اردو میں بھی لکھنے کا اختیار دے دیا ہے۔

ایک سرکاری اطلاع میں کہا گیا ہے کہ تقسیم کے بعد یونیورسٹی کے نصاب تعلیم میں اردو کی اہمیت کم ہو گئی تھی لیکن اب اردو کو انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے کے امتحانات میں اختیاری مضمون کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اب یونیورسٹی نے اردو میں ایم۔ اے کے امتحانات کا بھی انتظام کر دیا ہے۔

یونیورسٹی کی نئی پالیسی کے مطابق انٹرمیڈیٹ بی۔ اے اور بی کام کے امیدوار کو امتحانات میں جواب انگریزی کے علاوہ ہندی پنجابی اور اردو میں بھی لکھنے کا اختیار دے دیا گیا ہے۔

۵۸ء سے معاشیات، فلسفہ، تاریخ، سوکس، ہندوستانی موسیقی اور ہوم سائنس کے امتحانات کے جوابات ہندی، پنجابی اور اردو میں لکھنے کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ ۶۰ء سے مذکورہ بالا مضامین کے جوابات بی۔ اے کے امتحانات میں لکھے جا سکیں گے۔

ایک نشانِ راہ

دور دراز دکن میں جہاں اس وقت لسانی حد بندی کے جھگڑوں میں اردو زبان کا مستقبل بہت تاریک ہو چکا ہے اس زبان کی قوت کا اندازہ آج بھی اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ حد درجہ مخالف حالات کے باوجود حیدرآباد اور بنگلور جیسے مقامات پر اردو کے حامیوں کی جماعت اپنا کام موثر طریقے سے انجام دے رہی ہے۔ حیدرآباد کا یہ واقعہ تو ایک نشانِ راہ ہے کہ اس زمانے میں وہاں کے اردو دوستوں نے سرکاری امداد سے بے نیاز ہو کر صرف غیر سرکاری لوگوں کی امداد سے ایک کثیر رقم اردو کے نام پر جمع کی اور اردو ہال کے نام سے ایک شاندار عمارت کھڑی کر دی جس کے افتتاح کی تقریب حال ہی میں ہمارے محبوب وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے انجام دی ہے۔ یہ ایک اشارہ ہے اس طرف کہ مخالف حالات کے باوجود اردو کے دوستوں کی ہمتیں قائم ہیں اور اس زبان میں اتنی زندگی باقی ہے کہ وہ حالات کے دور سے پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ سکتی ہے۔

اس واقعے سے تمام ہندوستان میں اردو کی خدمت کرنے والے لوگوں کو سبق لینا چاہیے اور جن گوشوں میں ہمتیں کمزور ہو رہی ہوں وہاں اس قسم کے معنی خیز واقعات کو اپنے لئے چراغ راہ بنانا چاہیے۔ (نامہ نگار)

میر تقی میر (ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی)

ملک کے بہترین ادیب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میر کے متعلق ڈاکٹر فاروقی کا مطالعہ بہت گہرا اور وسیع ہے اور اس کتاب کے دیکھنے ہی سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ آج تک میر کی سوانح اور کلام کے متعلق اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مولف نے میر کے زمانے کے تاریخی حالات کو ان کی پوری زندگی اور شاعری کا پس منظر بنایا ہے۔ اور اس طرح ایک تاریخی فریم میں میر کی سیرت کا عکس پیش کیا ہے۔ (قیمت بارہ روپے فی جلد)

(پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کا پٹی علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا)